قائدِ شریعت شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

آفتابِ علم و حکمت

حضرت مولانا محمد عبدالمعبود صاحب، راولپنڈی

اس ظلمت کدۂ دہر میں وارثانِ علومِ نبوت نے شمعِ علم و عرفان ہمیشہ فروزاں رکھی۔ جس کی ضیا گستریوں سے مسلمانانِ عالم کے قلوب مستنیر ہوتے رہے۔ علمائے حق اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر کفر والحاد اور بدعات و سیئات کی بادِ سموم سے ملتِ اسلامیہ کے تحفظ کا فریضہ سرانجام دیتے رہے اور ساتھ ہی طاغوتی قوتوں کے جبر و استبداد کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر اعلائے کلمۃ الحق کے لئے برسرِ پیکار رہے۔

ہر زمانہ اور ہر ملک میں علمی جلالت اور عظمتِ شان کی حامل نابغۂ روزگار ہستیاں پیدا ہوتی رہیں جو علوم و معارف کے گراں بہا خزانہ سے ملت کو نوازتی رہیں۔ ایسی ہی یگانہ و فرزانہ ہستیوں میں دارالعلوم دیوبند کے اساطینِ علم و حکمت کا شمار بھی ہوتا ہے۔

علماء دیوبند کا ہمیشہ سے یہ طرہ امتیاز رہا کہ ان کے عمل کی جولان گاہ کبھی ایک نہیں رہی۔ وہ بیک وقت مختلف میدانوں کے شہسوار رہے ہیں۔ اگر وہ ایک طرف درس و تدریس اور افادہ و استفادہ میں مشغول رہے ہیں، تو دوسری طرف تالیف و تصنیف میں بھی ان کے قلم فیض رقم اپنی جولانی دکھلاتے رہے۔ وعظ و خطابت اور دعوت و ارشاد کے ممبر بھی ان کی صدائے حق سے گونجتے اور وہ میدانِ حرب و ضرب کے بھی جاں نثار سپاہی نظر آتے۔ اگر دنیا نے انہیں عبادت و ریاضت میں سوز و گداز سے معمور پایا تو سیاست و قیادت کا بھی ان کا نظیر نہ دیکھا۔ غرض علماء دیوبند شریعت و طریقت، دین و سیاست سب کے جامع تھے۔ اسی جامعیت نے انہیں ابنائے زمانہ کی نگاہ میں بہت بلند مقام عطا کیا۔ اور ان کی عظمت و جلالت کے سامنے سب کی گردنیں جھکیں

اسی قافلہ کا ایک راہ رو، جسے دنیا شیخ الحدیث کے نام سے پکارتی تھی۔ جن کا اسمِ گرامی عبدالحق تھا۔ ان کی ذات بھی دین و سیاست دونوں کا حسین مرقع تھی۔ ایک وقت میں حکومت کے ایوانوں اور سیاسی سٹیجوں کی جلوتوں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ تو دوسرے وقت میں ذکر اللہ کی خلوتوں، درسِ قرآن و حدیث کی مسند پر بھی جلوہ افروز ہوتے تھے۔ اپنی زندگی کے ساتھ قومی زندگی اور اسلامی زندگی کے جلوؤں میں، بین الاقوامی زندگی اپنوں کی تربیت کے ساتھ دوسروں کی ساتھ شفقت، اور اپنوں کے احتساب کے ساتھ دوسروں کے لئے توسع ان کا نصب العین تھا۔ موصوف کی ذات والا صفات سے علم و عرفان کی محفل منور و تاباں تھی۔ لیکن آپ نے درس و تدریس اور روحانی تربیت جیسے پاکیزہ مشاغل کے ساتھ قومی جدوجہد کا میدان بھی سر کیا۔ اور ان دونوں اضداد کو جمع کر دکھایا۔ موصوف برصغیر میں ایک تابندہ و درخشندہ آفتابِ علم و حکمت تھے۔ جس کی تابانی سے جہاں صوبہ سرحد اور افغانستان کے کوہ و دمن بقعۂ نور بن گئے وہاں دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ان کے فیض یافتہ اور فضلاء حقانیہ نے علم و دانش کی ایسی قندیلیں روشن کر رکھی ہیں جن سے مسلمانانِ عالم راہ نمائی حاصل کر رہے ہیں۔

حضرت ممدوح کی زندگی جہدِ مسلسل اور علم و عمل، زہد و اتقاء، استغناء و توکل، عفاف و پاک بازی کی ایک ایسی کتاب تھی۔ جس کی ہر سطر آنے والی نسلوں کے لئے درسِ عمل اور جس کے ابھرتے ہوئے روپہلی نقوش بہترین اسوہ و نمونہ ہیں۔ آپ نے اس لادینی اور مادی دور میں جس طرح دینی، علمی، اخلاقی اور روحانی عظمتوں کو پروان چڑھایا اور انسانیت کی جن قدروں کو اجاگر کیا دنیا ان پر ہمیشہ فخر کرے گی۔

حضرت شیخ الحدیث کی جامع شخصیت مرجع عوام و خواص تھی علوم عقلیہ اور نقلیہ کے مجمع البحرین ہونے کی بنا پر، ان کی مجلس میں تشنگانِ علوم اور عاشقانِ طریق مستقیم کے لئے سیرابی کا ایک خوش منظر سرچشمہ تھی۔ مزاج میں عجیب لطافت و ظرافت تھی۔ علم کا یہ سمندر نادر اور بیش بہا قیمتی علمی جواہرات کا خزینہ اور گراں قدر علمی اسرار و رموز کا گنجینہ تھا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کے اس تلمیذ رشید کو بلا تخصیص تمام علوم میں کامل دسترس تھی مہارت تامہ سے نوازا تھا۔ لیکن حدیثِ نبوی کے ساتھ عشق و فریفتگی کمال درجہ کی تھی۔ تقریباً نصف صدی تک حدیث کے

انمول موتی لٹاتے رہے۔ صحیح بخاری اور جامع ترمذی امتیازی شان کے ساتھ پڑھاتے رہے۔ کبر سنی، ضعف پیری اور امراض و آلام کے طوفان میں بھی درس حدیث سے دست کش نہ ہوئے۔ اٹھنے، بیٹھنے اور چلنے میں دوسروں کے سہارا کی احتیاج کے باوجود حدیث طیبہ کے درس کا ایمانی مشغلہ جاری رکھا۔

حضرت ممدوح کی حدیثی و فقہی بصیرت ہمہ جہتی و ہمہ گیر تھی۔ درسی تقریر نہایت شستہ، بسیط، پرمغز اور دلپذیر ہوتی۔ مذاہب کا بیان، امام الائمہ ابوحنیفہ کے مسلک کی تحقیق و تنقیح، حدیثی نکات، سند رجال کی بصیرت افروز بحثیں، تصوف کے اسرار و رموز اور کلام و حکمت کی دقیق باتیں سب کچھ ہی سبق میں زیر بحث آجاتا۔ شگفتہ لب و لہجہ اور دلنشیں انداز بیان لوح دل پر نقش ہو جاتا۔ طلبا۔ کی دلداری کے لئے ان کے بے محل اور مہمل سوالات پر بھی بڑی بشاشت و انشراح کے ساتھ جواب عنایت فرماتے۔ طلباء کے ساتھ ایک شفیق باپ کا سا معاملہ تھا۔ جو شفقت و محبت کے ساتھ اولاد کی کوتاہیوں پر اصلاح بھی کرتا ہے۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد کم و بیش دس ہزار ہے۔ صرف دار العلوم دیوبند کے زمانہ تدریس میں آپ سے تین ہزار سے زائد لوگوں نے شرف تلمذ حاصل کیا۔ جب کہ دار العلوم حقانیہ میں صرف دورہ حدیث پڑھنے والے فضلاء اور علماء کی تعداد پانچ ہزار سے فزوں تر ہے۔ آپ کے مشاہیر تلامذہ برصغیر اور افغانستان کے علاوہ ملائیشیا، برما رنگون، ایران، مشرق بعید کے علاوہ بیشتر مغربی ممالک میں بھی تدریس و تبلیغ اور اشاعت و ترویج اسلام میں مصروف و منہمک ہے ملک اور بیرون ملک میں حضرت شیخ الحدیث کے فیض یافتہ علماء کرام کے قائم کردہ مدارس اور مکاتب کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ پاکستان اور افغانستان کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں امامت و خطابت کے فرائض سرانجام دینے والوں میں آپ کے تلامذہ کی غالب اکثریت پائی جاتی ہے۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء، واللہ ذو الفضل العظیم ۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت ممدوح کا درس و تدریس صرف پشتو زبان میں ہوتا تھا۔ اس کے باوجود آپ کے شاگردوں کی بہت بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔ اگر آپ اردو زبان میں بھی فیض رسانی کرتے تو بعید نہیں کہ برصغیر کے جملہ مشائخ اور اساتذہ کرام کے مقابلہ میں آپ کے تلامذہ کی تعداد کہیں زیادہ ہوتی۔ ع

وہ جو تھے عالموں کے تاج
ہوگئے وہ غریق رحمت آج

عالمی شہرت کے حامل آپ کے ممتاز تلامذہ میں سے بعض کے کرام کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

حضرت ممدوح کے خلف الرشید مولانا سمیع الحق دامت برکاتہم جو میدان سیاست و دین دونوں کے شہسوار ہیں حضرت مولانا اسعد مدنی خلف الرشید شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ جانشین شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ، ممتاز ماہر فلکیات مولانا محمد موسیٰ خاں، مفتی پاکستان مولانا ولی حسن ٹونکی۔ استاذ العلماء حضرت مولانا مرغوب الرحمن مہتمم دار العلوم دیوبند، شیخ طریقت مولانا خان محمد سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں، مناظر اہلسنت حضرت مولانا عبد الستار تونسوی، ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ ممتاز اسکالر حضرت مولانا سید شیر علی شاہ پی۔ ایچ ڈی مدینہ یونیورسٹی شیخ الحدیث حضرت مولانا حامد میاں مرحوم و مغفور، حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صدر وفاق المدارس، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمن، حضرت مولانا قاضی عبد اللطیف کلاچی، حضرت مولانا صدر الشہید، مجاہدین افغانستان کے قائد مولانا جلال الدین حقانی، مولانا یونس خالص، مولانا فتح اللہ شہید اور مولانا عبد القیوم حقانی وغیرہ

مکارم اخلاق

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ ضریحہ محاسن اخلاق کے پیکر مجسم اور روحانیت کے پیکر بے مثال تھے۔ زہد و ورع، تواضع و انکساری، فیاضی، جود و سخا، مہمان نوازی، بلندی اخلاق، محب ملک و ملت اور حکیمانہ جوش عمل کے علمبردار تھے۔ بے نفسی اور فروتنی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ سیدی و مرشدی مولانا عبید اللہ انور برد اللہ مضجعہ حاضر خدمت ہوئے اور فرمایا:۔

مجھے اس بات پر بجا طور پر فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ممدوح سے شرف تلمذ حاصل کرنے کی سعادت نصیب فرمائی۔ میں دار العلوم دیو بند میں حضرت سے پڑھتا رہا" استاذی المکرم نے جواباً ارشاد فرمایا "اس میں شک نہیں کہ آپ میرے شاگرد ہیں۔ مجھ سے علم حاصل کیا ہے مگر آپ بڑے ہیں اور میں چھوٹا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلند روحانی کمالات سے سرفراز فرمایا ہے۔ ہم جیسے گناہ گار بھی اگر دعا کرنے کی تمنا لے کر حاضر خدمت ہوتے تو ارشاد فرماتے "آپ نے بڑی شفقت فرمائی، اتنی دور سے تشریف لائے۔

حضرت شیخ الحدیث مرحوم و مغفور نے اپنے آپ کو جتنا مٹایا۔ اللہ تعالیٰ نے اتنا ہی اٹھایا۔ جس قدر اپنی پستی و فروتنی کا اقرار کیا حق تعالیٰ شانہ نے اسی قدر رفعتوں اور بلندیوں سے ہمکنار کیا۔ کیوں نہ ہو۔ من تواضع للہ رفعہ اللہ۔ کا ایمان افروز مژدہ موجود تھا۔

آپ بے تاج بادشاہ تھے۔ کروڑوں انسانوں کے دلوں پر حکمرانی کرتے تھے۔ شاہ و گدا، علماء و امراء آپ کے آستانہ عالیہ

نیازمندانہ حاضری کو باعثِ فخر و نجات سمجھتے تھے۔ ایشیا اور ممالک اسلامیہ کی کتنی ہی ممتاز شخصیات نے بارہا شرفِ زیارت سے مشرف ہو کر روحانی و قلبی سرور سے بہرہ یاب ہوئے۔

ضیافت و مہمان نوازی حضرت ممدوح کی روحانی غذا اور طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ مہمانوں کی آمد و رفت، شب و روز جاری رہتی۔ لیکن ہر آنے والے کے ساتھ بے حد تواضع و انکساری، ملاطفت و نرمی عزت و احترام اور خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے شیوخ، علماء، امراء، وزراء اور فقراء ہر کوئی ان کے دسترخوان سے یکساں طور پر شکم سیر ہوتا۔

ایسا بھی دیکھا گیا کہ بعض آدمی دسترخوان پر دیر تک براجمان رہے اور ہر نئے آنے کے ساتھ برابر شریک طعام رہے۔ مگر حضرت ممدوح بڑی فراخ دلی بلکہ دریادلی کے ساتھ اس سے ہَل مِن مَزِید کا استفسار فرماتے۔

حضرت مرحوم درویش منش عالم ہونے کے باوصف میدان عمل کے مرد مجاہد تھے۔ علمی مشاغل کے ساتھ ساتھ وقت کے موجودہ فتنوں سے بھی پنجہ آزمائی کی۔ بعض فتنوں پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ فتنے خوابیدہ ہو کر رہ گئے، جن میں خصوصیت کے ساتھ عنایت اللہ مشرقی کا خاکسار کا فتنہ تھا، جس کی سرکوبی کے لئے آپ نے قابل تقلید کردار ادا کیا۔ حکیمانہ تدبر اور حکمت عملی کے ساتھ مرد قلندر مولانا غلام غوث ہزاروی کا خاکساروں کے ساتھ اکوڑہ خٹک میں مناظرہ کرایا۔ جس میں خاکساروں کو ذلت آمیز شکست ہوئی۔ اسی طرح فتنہ قادیانیت، پرویزیت اور اس نوع کے بیسیوں فتنوں کے خلاف برسرپیکار رہے۔

جذبہ جہاد اگرچہ ہر مسلمان جذبہ جہاد سے سرشار اور شہادت کی موت کا خواہش مند ہوتا ہے لیکن شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ کو جذبہ جہاد خاندانی وراثت میں ملا تھا۔ موصوف اس خاندان کے فرد فرید اور رجل رشید تھے جو سلطان محمود غزنوی کی ہمرکابی میں جہاد کا مقدس فریضہ سرانجام دینے کے لئے ہندوستان میں وارد ہوا اور بالآخر یہیں قیام پذیر ہو گیا تھا۔ اور پھر دارالعلوم حقانیہ کے "محل وقوع" سے اثر پذیری کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا، جہاں سید اسماعیل شہید اور سید احمد شہید رحمہما اللہ نے معرکہ کارزار گرم کیا تھا۔ جس کے متعلق حضرت ممدوح اس طرح کشفِ حقیقت فرماتے ہیں۔

مجھے اگرچہ تاریخی اعتبار سے تو متحقق نہیں مگر آثار و قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم حقانیہ اسی جگہ قائم ہے، جہاں سے شہدائے بالاکوٹ کی سب سے پہلی تلوار چلی تھی۔ یہاں ان کے رفقاء شہید ہوئے تھے۔ دراصل اس بے آب و گیاہ، پسماندہ اور پہاڑی علاقہ میں کھنڈرات اور پتھروں سے دارالعلوم حقانیہ کی صورت میں علوم و معارف کے چشمے آپ کو پھوٹتے نظر آتے ہیں، کیا عجب کہ اس میں سیدین شہیدین اور ان کے سرفروش رفقاء اور جان نثار اور تحریک احیائے دین کے شہیدوں کا خون رنگ لایا اور یہ یقین ہے کہ اکوڑہ خٹک میں علوم و معارف کی یہ بہاریں ان ہی کے انفاس قدسیہ کے برکات ہیں۔

حضرت ممدوح نے دارالعلوم حقانیہ کے ذریعہ جہاں علمی اور اعتبار سے بھٹکی ہوئی انسانیت کی تعلیم و تربیت میں قابل رشک کردار ادا کیا، وہاں ابنائے دارالعلوم حقانیہ اور فضلاء حقانیہ کو جذبہ جہاد سے ایسا سرشار کیا کہ افغانستان میں روسی سامراج کے خلاف بے سروسامانی کے باوصف برسرپیکار ہو گئے۔ مجاہدین افغانستان کی قوت ایمانی، جذبہ، ولولہ اور غیر متزلزل یقین ہی کا نتیجہ ہے۔ کہ روس جیسی سپر طاقت کو عبرت ناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

حضرت شیخ الحدیث کے مایہ ناز شاگرد، افغان مجاہدین کے سرکردہ لیڈر مولانا جلال الدین حقانی فاضل دارالعلوم حقانیہ جہاد کے ابتدائی زمانہ میں حضرت الاستاذ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنی بے سروسامانی، کم مائیگی اور افرادی قوت کی قلت کا شکوہ کرتے ہیں۔ لیکن اس مرد قلندر کی نظریں اسباب کی بجائے مسبب الاسباب کی قوت قاہرہ پر لگی ہوئی تھیں۔ اور ان کا ایمان و یقین اس قدر راسخ تھا کہ وہ لمحہ بھر کے لئے بھی اس کی مدد سے ناامید نہیں ہو سکتے تھے۔ انھوں نے فرمایا "مولانا! کیا آپ نے حدیث طیبہ میں سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تفصیلات نہیں پڑھیں ہیں اور کیا یہ حقیقت روزروشن کی طرح عیاں نہیں ہے کہ آپ نے ایک مٹھی مٹی کی دشمن کے لشکر جرار پر یہ کہتے ہوئے پھینکی۔ شاہت الوجوہ تو کفار کا سارا لشکر چشم زدن میں ذلت ورسوائی کے ساتھ پسپا ہو گیا۔ لہذا آپ بھی اسی نسخہ کیمیا کو استعمال کریں۔

چنانچہ مولانا جلال الدین روحانیت کے اسلحہ سے لیس اور دعاؤں کے طیارہ میں سوار ہو کر محاذ جنگ پر پہنچ گئے اور یقین کامل اور ایمان راسخ کے ساتھ چند کنکریاں ہاتھ میں لے کر حدیث نبوی کے مطابق شاہت الوجوہ کا ورد کرتے ہوئے پوری قوت ایمانی کے ساتھ دشمن کی فوج پر پھینک دیں اور وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی کا حیرت انگیز نظارہ کرنے لگے۔ پھر کیا تھا کہ دشمن کی بکتر بند گاڑیاں اور ٹینک تک الٹ گئے اور دشمن کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔

یہ تھی ساری حضرت کی روحانی تربیت اور ان کے تربیت یافتہ شاگردان رشید کی قوت ایمانی و ایقان کا عملی مظاہرہ۔ اور یہ حقیقت ساری دنیا پر آشکارا ہے کہ افغان جہاد میں شریک

مجاہدین کو نہ صرف شیخ الحدیث کی سرپرستی کا فخر حاصل تھا، بلکہ ان کے بیشتر زعماء، قائدین اور مجاہدین حضرت ممدوح کے تلامذہ، متوسلین، اور دارالعلوم حقانیہ کے فیضیافتہ ہیں۔ اور حضرت مرحوم بھی اس فریضہ کی انجام دہی پر خدا کا شکر ادا کرتے تھے: الحمد للہ جس غرض کے لئے دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے جہادِ افغانستان کی صورت میں زندگی میں اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لیا ہے۔

حضرت ممدوح کو دینی غیرت، اسلامی حمیت اور دینی تعلیم کی اہمیت کا شدید ترین احساس تھا اور یہی جذبہ اور ولولہ انھوں نے اپنے تمام شاگردوں میں بھی پیدا کیا۔ اپنی محنت کو بار آور اور اپنے لگائے ہوئے گلستان علم کو پر از بہار دیکھ کر اپنے مالک حقیقی کے پاس جا پہنچے اور اپنی مسند علم و عرفان اپنے فرزند دلبند، عالم باعمل مولانا سمیع الحق دامت برکاتہم کے سپرد کر دی۔ اللہ رب العزت اس گلشن علم و دانش کی بہاروں کو تاقیامت قائم دائم رکھے اور اس چشمہ رحمانی سے تشنگانِ علوم اسلامیہ کو سیراب کرتے رہے۔

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

حضرت ممدوح کے باقیات الصالحات میں جہاں دارالعلوم حقانیہ جیسا ابدی صدقہ کا عظیم الشان سمندر موجزن ہے۔ وہاں ان کی اولاد بھی علم و عمل، تہذیب و متانت، وضعداری و سنجیدگی اور بلند ہمتی و جفاکشی کے اعتبار سے قابل ستائش سرمایہ افتخار ہے۔ مولینا سمیع الحق دامت برکاتہم سیرت و کردار اور علم و تقویٰ میں موصوف کے مایہ ناز خلف الرشید ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے درس و افادہ میں کامل دسترس سے نوازا۔ اور کامیاب مصنف، بہترین مقرر اور سیاسی بصیرت سے متصف فرمایا۔ جن کے دل کو دین و سیاست، ملک و ملت کی ہمدردی اور خیر خواہی سے سرشار کر دیا۔ جو اس وقت جہادِ افغانستان کی جدوجہد کی نہ صرف سرپرستی کا رول ادا کر رہے ہیں بلکہ عملاً بھی اس میں برابر کے شریک ہیں۔ عرصہ دراز سے دینی خدمات کے ساتھ ساتھ سیاسی میدان میں بھی سرگرم عمل ہیں۔ اور اب حضرت کے وصال سے ان کی ذمہ داریوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔ حضرت مولانا انوار الحق زید مجدہم درس و تدریس میں مہارت تامہ کے ساتھ انتظامی اور اصلاحی امور میں بھی مصروف و منہمک ہیں۔ پروفیسر مولانا محمود الحق دامت فیوضہم اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ملک و ملت کے نونہالوں کی سیرت و کردار سازی کی عظیم المرتبت خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سدا بہار گلشن کو تاابد شاداب رکھے اور اس کے فیوضات سے امت مسلمہ کو فیضیاب ہونے کی سعادت نصیب فرمائے۔ حضرت شیخ الحدیث کی وفات حسرت آیات پر کسی شاعر کے یہ اشعار کیسے صادق آتے ہیں۔ ع

اک جنازہ جا رہا ہے دوشِ عظمت پر سوار
پھول برساتی ہے اس پر رحمت پروردگار
غیرتِ خورشید عالم ہے کفن ہے تار تار
ابر گوہر بار کے اندر ہیں دُرِّ شاہ سوار
نوحہ خواں ہیں مدرسے اور خانقاہیں سوگوار
آفتابِ علم و تقویٰ چھپ گیا زیر مزار
شمع محفل بجھ گئی باقی ہے پروانوں کی خاک
اب نہ تڑپے گی کبھی محفل میں دیوانوں کی خاک

علوم و معارف کا چشمہ مکہ معظمہ میں پھوٹا اس کی نشو و نما مدینہ منورہ میں ہوئی پھر مدینہ منورہ سے علوم و معارف کا یہ سیل رواں عراق (کوفہ و بصرہ) پہنچا جہاں تعلیم و تدریس اور علوم و معارف کے گلشن کھلے اور خوب بہاریں آئیں اور جب اس نہر کا رخ خراسان کو ہوا تو ایسا معلوم ہوا جیسے ساری بہاریں خراسان کو منتقل ہو گئیں ۲۰۰ھ سے ۶۰۰ھ تک خراسان علوم و معارف کا مرکز رہا خراسان کی زمین بڑی زرخیز ثابت ہوئی اور اس سرزمین نے علوم و فنون کے آئمہ، بڑے بڑے محدثین اور رجال کار پیدا کئے۔ امام بخاری امام مسلم امام ابوداؤد سجستانی اور امام ترمذی جیسے ائمہ حدیث کا خراسان ہے مگر ہر کمال را زوالے۔ تاتاری فتنہ جب اٹھا اور پورے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لیا تو خراسان میں بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا چونکہ دین کی حفاظت اللہ رب العزت نے کرنی ہے (انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون) تو جسے چاہتے ہیں حفاظت دین کا کام لے لیتے ہیں —— توحید و برکت اور علوم و معارف کی وہ نہر جو مدینہ منورہ سے چل کر خراسان پہنچی تھی شام کو منتقل ہوئی۔ وہاں سے مصر کو پہنچی اور اب وہاں سے ہندوستان منتقل ہوئی۔

ارشاد: شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ

(از حقائق السنن)